Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:11 (1982)

انسانی اور اسلامی قانون میں بنیادی فرق

امین احسن اصلاحی

اسلامی قانون اور انسانی قانون کے درمیان جو بنیادی فرق ہے اس کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ انسانی قانون کے ارتقاء کی تاریخ کیا بیان کی جاتی ہے؟ یہ کب سے شروع ہوا اور اپنی موجودہ منزل تک کن مراحل سے ہوتا ہوا پہنچا ہے؟ کن چیزوں نے اس کے لئے مواد فراہم کیا ہے اور کن عوامل نے اس کے بالکل ابتدائی جنینی دور سے لے کر اس کے موجودہ دور تک اس کی تہذیب و تکمیل میں حصہ لیا ہے۔

پھر اسی طرح یہ معلوم کیا جائے کہ قرآن مجید اسلامی قانون کا تدریجی ارتقاء کس طرح بیان کرتا ہے؟ کب سے اس کی ابتداء ہوئی، کہاں سے اس نے اپنی تعمیر کا مواد حاصل کیا، کن محرکات نے اس کی تکمیل و ترقی میں حصہ لیا اور کب یہ تکمیل کے آخری مرحلہ میں داخل ہوا؟ اس تقابل سے امید ہے کہ اس فرق کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔

انسانی قانون کے ارتقاء کی تاریخ

انسانی قانون کے ارتقاء کی جو تاریخ فلسفہ قانون کے ماہرین بیان کرتے ہیں اگر الفاظ کے اختلاف کو نظر انداز کر کے صرف اس کے مدعا پر نظر رکھی جائے تو قدر مشترک یہ سامنے آئے گی کہ خاندان اور قبیلہ کے وجود کے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

ساتھ دنیا میں اس کا وجود ہوا۔ افراد اور خاندانوں نے طمع اور خود غرضی کے محرکات کے تحت ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازیاں کیں اور حفاظت حقوق کے فطری جذبہ نے لوگوں کے اندر قانون کی ضرورت کا احساس ابھارا۔ خاندانوں اور قبیلوں کے رسوم و رواج نے اس قانون کے لئے مواد فراہم کیا اور بزرگ خاندان یا شیخِ قبیلہ نے جس عرف و رواج کو چاہا اپنے حکم (SANCTION) کے ذریعہ سے قانون کا درجہ دے دیا۔

فلسفہ قانون کے ان ماہرین کے نزدیک، انسانی سوسائٹی کے دورِ طفولیت میں یہ قانون اسی طرح نشو و نما پاتا رہا۔ خاندان خاندان اور قبیلہ قبیلہ کے قوانین الگ الگ ترقی کرتے رہے۔ پھر بتدریج سوسائٹی کے اندر سیاسی شعور بیدار ہوا اور اس نے ایک ریاست کی شکل اختیار کی۔ یہاں سے اس قانون نے ترقی کا دوسرا قدم اٹھایا۔ وہ یہ کہ اس میں وحدت و یکسانی پیدا ہوئی۔ ریاست چونکہ فطری طور پر استحکام اور سلامتی کی طالب ہوتی ہے اس وجہ سے جب اس نے اپنے دائرہ اقتدار کے خاندانوں اور قبائل کے قوانین اور رسوم میں اختلاف پایا تو اپنے استحکام اور اپنی سلامتی کے نقطۂ نظر سے اس اختلاف کو دور کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس نے اس اختلاف کو دور کر کے ان قوانین کو ایک ایسے ضابطہ کی شکل دی جو پوری قوم کے لئے یکساں اور عام ہو سکے۔

اس کے ارتقار کا تیسرا قدم یہ بتایا جاتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے اواخر سے قوموں قوموں کے قوانین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کو دور کرنے کا رجحان بھی پیدا ہو چکا ہے۔ فلسفۂ قانون کے ماہرین دعوے کرتے ہیں کہ اب قانون کی بنیاد رسوم و رواج کے بجائے علمی اور فلسفیانہ نظریات پر رکھی جا رہی ہے اور ان علمی و فلسفیانہ نظریات کی اساس عدل، مساوات، رحم اور انسانیت کے عالمگیر اصولوں پر ہے۔

اسلامی قانون کے ارتقار کی تاریخ

قرآن مجید اسلامی قانون کے ارتقار کی تاریخ اس طرح بیان کرتا ہے کہ انسان نے جب سے

دنیا میں قدم رکھا ہے اسی وقت سے اس قانون کا آغاز ہوا ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ تھے۔ وہ تمام نسلِ انسانی کے باپ بھی تھے اور خدا کے پہلے پیغمبر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قانونِ اسلامی کی وہ تمام باتیں بتائیں جو اس دور کے لوگوں کے لئے ضروری تھیں اور حضرت آدمؑ نے یہ ساری باتیں اپنی اولاد کو بھی سکھائیں۔

قرآن مجید نے اس قانون کی حکمت اور ضرورت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان صحیح زندگی بسر کرنے اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے کے لئے ان قوانین کا محتاج تھا۔ ان کے بغیر اس کی قوتوں اور قابلیتوں کی تربیت اور اس کی زندگی کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔

اگرچہ حضرت آدمؑ کے دور کے علوم اور احکام کی تفصیلات قرآن میں نہیں بیان ہوئی ہیں کیونکہ قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے اور یہ اسلامی علوم و قوانین کو ان کی کامل اور آخری شکل میں پیش کرتی ہے لیکن پھر بھی قرآن نے جگہ جگہ بعض ان باتوں کا حوالہ دیا ہے جو حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کو سکھائی گئی تھی۔ یہاں ہم ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے جن سے واضح ہو گا کہ اسلامی علوم اور اسلامی قوانین میں ابتدا سے لے کر انتہا تک یکسانی اور ہم رنگی ہے اور ان کی نوعیت شروع ہی سے ایسی ہے کہ ان پر ایک آخری اور کامل شریعت کی عمارت تعمیر ہو سکے۔

عقائد اور علوم سے متعلق قرآن اس عہد کی جن باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے ان میں سے چند باتیں ہم سورۂ بقرہ کی آیات ۳۰ تا ۳۸ سے اخذ کر کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

ایک یہ کہ انسان کو خدا نے اس دنیا میں خود مختار اور مطلق العنان بنا کر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے۔ اس کو جو اختیار ملا ہوا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے۔ اس وجہ سے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختیارات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قوانین کے اندر ہی استعمال کرے ورنہ وہ خونریزی اور فساد میں مبتلا ہو جائے گا۔

دوسری یہ کہ نوعِ انسانی کو اپنے قوانین اور احکام سے آگاہ کرتے رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ برابر اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہے گا تاکہ منصبِ خلافت کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا کرتے رہنے کے

لئے اس کو رہنمائی حاصل ہوتی رہے۔

تیسری یہ کہ آدمؑ اور ان کی ذرّیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ابلیس اور اس کی ذرّیت سے ہے۔ ابلیس نے آدمؑ کو خدا کے ایک حکم کی نافرمانی کے لئے ورغلایا جس کے سبب سے وہ جنت سے نکالے گئے۔ یہی معاملہ ابلیس کی ذرّیت کا آدمؑ کی ذرّیت کے ساتھ ہے تاکہ اولادِ آدمؑ خدا کی جنت سے محروم رہے۔ شیطان کے اس حسد اور اس کی مستقل عداوت کی وجہ سے اولادِ آدمؑ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اس کھلے ہوئے دشمن سے برابر ہوشیار رہے اور اگر کبھی شیطان کی اکساہٹ سے خدا کی کوئی نافرمانی صادر ہو جائے تو فوراً توبہ اور اصلاح کرے۔

چوتھی یہ کہ یہ دنیا بنی نوعِ انسان کے لئے ایک امتحان گاہ ہے یہاں انسان سے اللہ تعالےٰ نے اپنی بندگی اور اپنے قانون کی فرمانبرداری کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی شیطان کو اس بات کی مہلت دی ہے کہ وہ انسان کو اس راہ سے پھیرنے کی کوشش کرے۔ آخرت میں کامیاب اور فائزالمرام صرف وہ ہوں گے جو شیطان کی تمام فتنہ آرائیوں کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی اطاعت پر جمے رہیں گے۔

پانچویں یہ کہ اس دارالامتحان میں اپنے آپ کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہر قسم کی مشکلات کے باوجود قانون اور شریعت کی پابندی کرے۔ جو لوگ خدا کی شریعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے ان کے لئے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اس جنت کے وارث ہوں گے جس سے آدمؑ نکالے گئے اور پھر ان کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ کوئی غم۔

قرآن کے بیان کے مطابق دنیا کے پہلے ہی انسان اور اس کی ذرّیت کو قانونِ الٰہی کی پیروی اور اطاعت سے متعلق مذکورہ بالا اصولی ہدایات دی گئی تھیں۔ ان اصولی ہدایات کے علاوہ سورۂ مائدہ کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا ایک قصہ بھی بیان ہوا ہے جس سے ضمناً اس شریعت کے بعض قوانین پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اس ابتدائی عہد میں اولادِ آدمؑ کی

ہدایت کے لئے اتاری گئی تھی ہم مذکورہ بالا آیات سے اخذ کر کے اس شریعت کے چند احکام بھی یہاں پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی اور اس قربانی کے متعلق یہ تصور تھا کہ یہ صرف انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

قتلِ نفس ایک بہت بڑا گناہ بھی تھا اور سوسائٹی کا ایک بہت بڑا جرم بھی۔ چنانچہ آدمؑ کے ایک بیٹے نے جب حسد کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اپنے ایک بھائی پر بارادہ قتل حملہ کرنا چاہا تو اس نے اس سے کہا کہ تم جو چاہو کر و لیکن میں تمہارے اوپر قتل کی نیت سے حملہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ پھر جب اس نے نفس سے مغلوب ہو کر اس کو قتل کر دیا تو قانون کے ڈر سے اس کو چھپانے کی بھی کوشش کی۔

یہ قانون بھی موجود تھا کہ اگر کسی شخص کے ہاتھوں اپنے نفس کی مدافعت میں حملہ آور کا خون ہو جائے تو مدافعت کرنے والے پر اس کے خون کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بھی برابر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے جو لوگوں کو اس کے قوانین و احکام سے آگاہ کرتے رہے۔ قرآن کا بیان یہ ہے کہ یہ احکام و قوانین اپنی روح اور حقیقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہی طرح کے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ انسانی سوسائٹی درجہ بدرجہ جس رفتار سے ترقی کرتی گئی ہے۔ اسی رفتار سے ان احکام و قوانین میں بھی وسعت اور ترقی ہوتی گئی ہے۔ اس وسعت و ترقی کے لحاظ سے، بعض سابق احکام میں یا تو اللہ تعالیٰ نے تبدیلی فرمادی یا ان کو منسوخ کر دیا۔ توسیع و ترقی کا یہ سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ بالآخر آپؐ پر اسلامی قانون کی تکمیل ہو گئی۔

دونوں کا اصولی موازنہ

یہاں میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ انسانی قانون کے ارتقاء کی جو تاریخ بیان کی جاتی ہے وہ تنقید کی کسوٹی پر بھی پوری اترتی ہے یا نہیں۔ میں یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے اور اس کو صحیح فرض کر کے ہی چاہتا ہوں کہ اسلامی قانون اور انسانی قانون کا ایک

اصولی موازنہ کروں اور اس موازنہ سے جو حقائق برآمد ہوں ان کو آپ کے سامنے پیش کروں۔ میرے نزدیک ان دونوں کے ارتقار پر جو شخص ایک سرسری نظر بھی ڈالے گا وہ مندرجہ ذیل حقیقتوں کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۔ انسانی قانون کے قانون ہونے کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ اس کو شیخ قبیلہ یا بزرگ خاندان کی منظوری حاصل ہے یا کسی عدالت نے اس پر عمل کیا ہے یا کسی حکومت نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی چیز بھی اس کو حاصل نہ ہو تو پھر اس کی قانونیت ختم ہو جاتی ہے۔ برعکس اس کے اسلامی قانون کی قانونیت ان چیزوں میں سے کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ہے۔ وہ بہرحال قانون ہے، کوئی عدالت اس کو مانے یا نہ مانے اور کوئی حکومت اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے وہ اس کائنات کے حقیقی مالک اور حکمران کا قانون ہے، اگر کوئی عدالت یا حکومت اس کو تسلیم نہیں کرتی تو اس کے تسلیم نہ کرنے سے اس کی قانونیت متاثر نہیں ہوتی بلکہ خود وہ عدالت یا حکومت نافرمانی اور بغاوت کی مجرم ٹھہرتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا	جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ	قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔	وہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس حقیقت کا اظہار ان ناموں سے بھی ہوتا ہے جو اسلام نے اپنے قانون کے لئے اختیار کئے ہیں۔ اسلامی قانون کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں ایک لفظ کتاب ہے جس کے معنی ہیں مَاکَتَبَہُ اللّٰہُ لَنَا (جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے) دوسرا لفظ سنت کا ہے جس کے معنی ہیں ماسنّہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے مقرر کر دیا ہے) تیسرا مشہور لفظ شریعت کا ہے جس کے معنی ہیں ما شرعہ اللہ لنا (جو اللہ نے ہمارے لئے ٹھہرا دیا ہے) اسی طرح دوسرے الفاظ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

۲۔ انسانی قانون اپنے ساتھ احترام یا تقدیس کا کوئی پہلو نہیں رکھتا۔ وہ آدمی کے ایمان کا جزو

نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق آدمی کا یہ تصور نہیں ہوتا کہ جس نے اس قانون کو دیا ہے وہ اس کی نافرمانی یا فرمانبرداری کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اس کے بارہ میں یہ عقیدہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کی اطاعت سے جنت ملتی ہے اور اس کی خلاف ورزی سے آدمی دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی قانون خدا کا قانون ہونے کے سبب سے نہایت مقدس و محترم مانا جاتا ہے وہ ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہوتا ہے جس کو مانے بغیر اس کا ایمان ہی درست نہیں ہوتا اس کے دینے والے کے متعلق ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں اور خلوت خانوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ اس کی کھلی ہوئی خلاف ورزی تو درکنار اگر دل کے کسی گوشہ میں اس سے انحراف کا وسوسہ بھی موجود ہو تو وہ اس سے بھی باخبر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے متعلق ہر مسلمان کا یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ خدا کی رضا اس کے مانے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے اندر دنیا کی صلاح بھی ہے اور آخرت کی فلاح بھی

۳۔ انسانی قانون کا اصلی رول انسانی زندگی کے اندر صرف منفی قسم کا ہے۔ جو چیز اس کو وجود میں لائی ہے خود اس کے اپنے ماہرین کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر تعدی اور دست درازی سے روکا جا سکے۔ اگر انسان کے اندر یہ خرابی نہ ہوتی تو اس کی سرے سے کوئی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ برعکس اس کے اسلامی قانون اپنی ضرورت صرف تعدی اور دست درازی کی روک تھام ہی نہیں بتاتا۔ بلکہ اپنا کام انسان کی ہدایت و رہنمائی بتاتا ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، کی تہذیب و تکمیل کے لئے اس کا محتاج ہے، اس کے بغیر اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کی صحیح تربیت ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون صرف ہمارے مروجہ ضابطہ دیوانی یا ضابطہ فوجداری کے قسم کی دفعات ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ طہارت اور عبادت کا ایک ضابطہ بھی ہے، تربیت اخلاق اور تزکیہ نفس کے قواعد اور احکام بھی ہیں اور اجتماعی و معاشرتی تہذیب و اصلاح کے اصول و آئین بھی ہیں۔ انسانی قانون کے اندر اگر اس طرح کی کچھ چیزیں داخل ہوئی ہیں تو وہ بعد کی پیداوار اور اس کے اصلی

مزاج کے خلاف ہیں لیکن اسلامی قانون میں یہ ساری چیزیں اس کے اپنے مزاج کے اقتضا سے داخل ہوئی ہے۔ حالاتِ زندگی کی اصلاح و تہذیب میں اس کا رول منفی سے زیادہ مثبت ہے۔ ایک اسلامی حکومت دوسری حکومتوں کے مقابل میں زیادہ وسیع ذمہ داریاں رکھتی ہے، اس کو عوام کی زندگی کے ان گوشوں پر بھی نگاہ رکھنی پڑتی ہے جو اس زمانہ میں حکومت کی نگرانی سے بالعموم الگ خیال کئے جاتے ہیں اس کی وجہ اسلامی قانون کی یہی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔

۴۔ انسانی قانون کی اصل بنیاد، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، عرف و عادت اور رسوم و رواج پر ہے۔ خاندانوں اور قبیلوں میں جو باتیں رواج پکڑ گئیں انہی چیزوں نے ضرورت کے وقت قانون کا درجہ حاصل کر لیا۔ ان میں علمی اور فلسفیانہ نظریات کی آمیزش بعد میں زمانہ کی ترقی سے ہوئی ہے۔ اس کے ابتدائی مواد میں خاندانی اور قبائلی روایات و تعصبات کی تمام تنگ نظریاں ملی ہوئی ہیں۔ البتہ اب اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جانے لگا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے اواخر سے اس کو رحم، عدل، مساوات اور انسانیّت کی عالمگیر بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ اس کے ماضی اور حاضر میں کوئی ربط نہیں ہے اور اس کے مستقبل کے بارہ میں بھی کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کیا شکل اختیار کرے گا۔

اس کے برعکس اسلامی قانون روزِ اوّل سے انسانی فطرت اور خدا کی دی ہوئی ہدایت پر مبنی ہے اس میں خاندانوں اور قبیلوں کے رجحانات و تعصبات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ رسوم و رواج اس میں اگر کوئی دخل رکھتے ہیں تو صرف ایک محدود گوشہ کے اندر رکھتے ہیں اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ خدا اور رسول کی کسی ہدایت کے خلاف نہ ہوں۔ اس کے ماضی اور حاضر میں گہرا ربط ہے اور مستقبل میں اس کی ترقی کے خطوط بھی بالکل معیّن ہیں۔ انسانی قانون عدل، مساوات اور رحم و انسانیت کی جس منزل تک اب پہنچنے کی آرزو کر رہا ہے اسلامی قانون کا پہلا ہی قدم وہیں سے اٹھا ہے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ اگر انسانی قانون اپنی اس معراجِ آرزو کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو جس دن اس کو یہ کامیابی حاصل ہو گی اسی دن وہ اسلامی قانون میں تبدیل ہو جائے گا۔

۵۔ قانون کے اندر وحدت و یکسانی ایک مطلوب شے ہے۔ اس کے بغیر اس کا اصلی مقصد، قیام عدل، پورا نہیں ہو سکتا۔ لیکن انسانی قانون کے متعلق اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس میں وحدت و یکسانی اول تو ہے نہیں اور اگر کسی حد تک ہے بھی تو وہ اس کے اپنے مزاج کے تقاضے سے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اس کو مصنوعی طور پر ریاست نے اپنے مصالح کے تحت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ بین الاقوامی ادارے ہیں جو اس بات کے لئے زور لگا رہے ہیں کہ قوموں قوموں کے قوانین میں جو اختلافات ہیں وہ دور ہوں اور ان کے اندر یک رنگی و ہم آہنگی پیدا ہو۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کا سرچشمہ چونکہ خاندانوں اور قبیلوں کی روایات اور ان کے رسوم و عادات نہیں ہیں بلکہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی شریعت ہے اس وجہ سے وحدت و یکسانی اس کی اپنی فطرت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے تمام نبیوں کو ایک ہی قانون عطا فرمایا۔ اس میں اگر کوئی فرق تھا تو وہ محض ظاہری فرق تھا۔ قرآن نے اسلامی قانون کی اس یکسانی کی تصریح سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۲ میں اس طرح فرمائی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ	اور تمہارے لئے بھی اسی دین کو مشروع کیا ہے جس کی تعلیم نوح کو دی تھی۔ اور اے پیغمبر یہ دین بھی جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے وہی ہے اور یہی دین ہے جس کی تعلیم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی تھی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔

اس میں اگر اختلاف واقع ہوا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ اختلاف اس کے اپنے مزاج کا تقاضا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوموں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی، تعصب اور تنگ نظری کے سبب سے اپنے اپنے دائروں کے اندر ہی اپنے آپ کو محبوس کر لیا اور اسلامی قانون کی ترقی کے ساتھ ساتھ خود بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔ مشرکین عرب اور یہود اور نصاریٰ نے اسلام کی جو مخالفت کی

قرآن نے اس کو ان کی بغی یعنی ضد اور عداوت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اگر ان کے اندر ضد اور تعصب کی جگہ حق پسندی موجود ہوتی تو وہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو خدا کا رسول مانتے تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا رسول مانتے اور تمام نبیوں کی تعلیم پر بغیر کسی امتیاز کے عمل کرتے۔